حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی

دوامِ حدیث

مولانا سندھی صاحب کے

مغالطات

اصولِ اربعہ کا ذکر

سندھی صاحب نے جو اس تعبیر کی مخالفت کی ہے یہ دراصل تعبیری اختلاف ہے نہ حقیقی اور اس تعبیری اختلاف میں سندھی صاحب منفرد نہیں بلکہ اصولِ فقہ میں بھی اس سے بحث کی گئی ہے اس تعبیری اختلاف سے اصولِ فقہ کے ائمہ کے ہاں اصل مسئلہ (کہ ان ادلّہ سے استدلال درست ہے اور یہ حجت ہیں) پہ کوئی زد نہیں پڑتی، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اجماع کے بعد کسی سند کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سند اگر قیاس ہے تو وہ کتاب و سنت سے ہی ماخوذ ہے۔ اگر سند کتاب و سنت سے ماخوذ ہے تو ظاہر ہے کہ صرف دو چیزیں باقی رہیں۔ اور سندھی صاحب کے قول کے مطابق چونکہ سنت قرآن سے ماخوذ ہے اگرچہ وحی باطنی کی مدد سے ہے تو اصل صرف قرآن ہوا مسلم الثبوت میں ایک قدم آگے رکھنے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآن بھی فرع ہے کیونکہ اصل حکم کلام نفسی سے ہے اور قرآن اس پر دالّ ہے۔ پھر جواب دیا ہے کہ قرآن کو فرع نہ کہنا اس لیے ہے کہ دالّ کو عین مدلول قرار دیا ہے۔

بعض حنفیہ نے جو کہا ہے کہ قیاس مظہر ہے نہ سنت اور اجماع یعنی سنت اور اجماع قرآن کی طرح اصل ہیں۔ اس کا جواب مسلم الثبوت میں اس طرح دیا ہے کہ قیاس کا فرع ہونا زیادہ واضح

ہے ورنہ سنت اور اجماع بھی فرع ہیں اور اصل مطلق صرف قرآن ہے۔ مگر ان کا یہ مطلب نہیں کہ سنت، اجماع یا قیاس سے استدلال کرنا جائز نہیں یا وقتی ہے بلکہ ان کی غرض یہ ہے کہ قرآن اصل ہے اور باقی چیزیں اس کی فرع ہیں مگر سندھی صاحب کی عبارت سے وقتی ہونے کا وہم پڑتا ہے،

ہاں ایک بات جو سندھی صاحب نے غلط فہمی کا موجب بن سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اجماع کی خاص تعریف کرتے ہیں اور امت کے نزدیک اجماع کی تعریف اس سے عام ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:۔

"اس طرح اجماع قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام ہے۔"

اور امت کے ہاں:۔

"اجماع کسی زمانہ کے تمام مجتہدین امت کے متفقہ فیصلے اور عمل کا نام ہے اگر ایک بھی مخالف ہو تو اجماع منعقد نہیں ہوتا۔ اور اس کی سند ضرور ہونی چاہیئے یعنی کتاب و سنت یا استنباط سے۔"

جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے:۔

"اتفقوا علی القول بالاجماع الذی مستندہ الکتاب والسنۃ او الاستنباط من احدھما ولم یجوزوا القول بالاجماع الذی لیس مستند الی احدھما"

امت اس اجماع (کی حجیت) پر متفق ہے جس کی سند کتاب و سنت یا ان سے کسی سے استنباط کرنے پر ہو۔ امت اس اجماع کی قائل نہیں جس کی سند کتاب و سنت میں نہ ہو۔

نور الانوار صلا۲۲ میں ہے:۔

والشرط اجماع الکل وخلاف الواحد مانع کخلاف الاکثر

اجماع کے حجت ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ سب (مجتہدین امت) متفق ہوں۔ اگر ایک شخص بھی مخالف ہوگا تو وہ اسی طرح ہے جیسے اکثر مخالف ہوں یعنی اس صورت میں اجماع منعقد نہیں ہوگا۔

پس جو اجماع امت نے ذکر کیا ہے وہ ایک دائمی حجت ہے بخلاف اس اجماع کے جو سندھی صاحب نے بیان کیا ہے۔ جس میں اغلبیت کے فیصلے بھی شامل ہیں وہ عموماً دائمی حجت نہیں بلکہ ایک وقتی چیز ہے

کیونکہ اکثریت کے فیصلوں کا اعتبار غالباً وہاں ہوتا ہے جہاں کتاب وسنت میں حکم نہ ملے اور سیاسی مصلحت کا تقاضا ہو کہ فوری کارروائی کی جائے۔ اس صورت میں اگر اتفاق نہ ہو تو لامحالہ اغلبیت کے فیصلوں پر عمل کیا جائے گا۔ مگر یہ چیز کوئی دائمی نہیں ہوگی۔

شاہ ولی اللہ نے خلافتِ راشدہ کے متعلق ازالۃ الخفاء ص۱۱۹ میں لکھا ہے کہ:

جب خلیفہ راشد تمام اہل علم یا اکثر اہل علم کے مشورہ سے حکم دے اور وہ حکم مسلمانوں میں جاری کر دیا جائے تو وہ بھی حق ہوتا ہے۔ جن حدیثوں میں اکثریت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے ان کا یہی محمل بنایا ہے اور جمہوریت کی اتباع کا لازمی اور دائمی ہونا صرف خلافتِ راشدہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

یہ مسئلہ اور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کی اکثریت کا فیصلہ بھی اجماع کی طرح دائمی حجت ہے نہ بعد کی اکثریت کا۔ خلافت راشدہ کے بعد کسی اور خلافت یا حکومت یا امارت کا حکم وقتی ہوگا، نہ دائمی۔

اسی طرح سندھی صاحب نے سنت کا معنے لینے میں دو رنگی اختیار کی ہے۔ کبھی سنت سے مراد حدیث لی ہے اور کبھی سنت ان فیصلوں کا نام رکھا ہے جو مشورے کے ساتھ اتفاق سے یا اکثریت کی رائے سے کیے گئے ہوں۔ جہاں وہ کہتے ہیں کہ سنت قرآن سے مستنبط ہے، سنت سے حدیث مراد لیتے ہیں اور کبھی جماعت کے فیصلوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فیصلوں کا نام رکھتے ہیں جو آپؐ نے صحابہ کے مشورہ سے کیے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:

"ہم سنت ان تمہیدی قوانین کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاءِ ثلاثہ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کیے۔" (ص۲۶۴)

اس عبارت میں استنباط کے مسئلہ کو چھوڑ دیا ہے یعنے مستنبط چیز کو سنت نہیں کہا بلکہ جو کام مرکزی جماعت کے مشورے سے طے پاتے اس کو سنت کہا اور خلفاء کے فیصلوں کو بھی سنت کہا ——————۔ مگر پہلے اور دوسرے معنے کے احکام الگ الگ ہیں۔ پہلے معنے کے اعتبار سے دائمی حجت ہے۔ دوسرے معنے کے اعتبار سے وقتی ہے۔ سنت کا دوسرا معنے اس قسم کا ہے کہ عموماً اس میں وقت کے تقاضے کا لحاظ ہوتا ہے خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے مشورہ

سے طے کریں یا خلفاء مرکزی جماعت کے مشورہ سے طے کریں۔ یہ سنت وقتی ہوگی۔ مگر جس وقت اس کی علت اور حکمت دائمی ہو تو دائمی ہوگی۔ اگر کسی سنت کے اجراء کا فیصلہ ہو یا سنت سے ایسے مسئلہ مستنبطہ کا اجراء جو علت کے دوام بنا پر دائمی حکم رکھتا ہو تو اس صورت میں سنت وقتی نہیں ہوگی۔

نیز یہاں سندھی صاحب سے ایک اور اختلاط واقع ہوا ہے کہ:۔

"سنت ہمارے فقہاء حنفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین میں مشترک مانتے ہیں اور یہی ہماری رائے ہے"

یہاں ایک اور مسئلہ ہے جو اصول حدیث میں مذکور ہے کہ کسی صحابی یا تابعی کی کلام میں لفظ سنت واقع ہو تو اس جگہ وہ حدیث مرفوع ہوگی یا نہیں۔ اہل حدیث کا یہی مذہب ہے کہ تابعی یا صحابی یہ کہے کہ یہ کام سنت ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور حنفیہ کہتے ہیں یہ لفظ مشترک ہے لہذا اس حدیث کا مرفوع ہونا مشتبہ ہے پس سنت کے لفظ سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

اگر سنت کا لفظ مقید ہو جیسے سنتِ رسول یا سنتِ خلفاء یا سنتِ صحابہ یا سنتِ ابوبکر تو اس صورت میں جس کا ذکر ہوگا وہ سنت اسی کی ہوگی۔

اس جگہ سندھی صاحب نے ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔

پھر کسی امر کا وقتی یا غیر وقتی ہونا اس کے حجت ہونے کے منافی نہیں ہوتا۔ محض اس بنا پر کوئی مسئلہ دائمی یا وقتی نہیں بن جاتا جب تک اس کے دائمی یا وقتی ہونے کے دلائل نہ ہوں۔ صرف کسی مسئلہ کا قیاسی ہونا کسی مسئلہ کو وقتی نہیں بنا دیتا جیسے خمر کی بحث میں ہم کہہ چکے ہیں کہ بھنگ کی حرمت اگر خمر پر قیاس کر کے ثابت کی جائے تو بھنگ کی حرمت دائمی ہوگی اور جو احکام بنا بر ضرورت ہیں وہ ضرورت کے اٹھ جانے سے اٹھ جائیں گے۔

یہاں ایسے مسائل بھی ہیں جن کے متعلق ان کی علت یا نفی علت کا کوئی پتہ نہیں۔ پس ایسے احکام الفاظ کے تابع ہوں گے۔ اگر الفاظ سے دوام مفہوم ہوتا ہے تو وہ احکام دائمی ہوں گے۔ اگر الفاظ سے وقتی ہونے کا پتہ چلتا ہے تو وقتی ہوں گے۔ عموماً عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں ایسا ہی ہوتا ہے، ان میں تعینات کی وجہ صرف تشریعی حکمتیں اور ایسے امور ہوتے ہیں جن کو صرف

عقل سے معلوم کرنا مشکل ہے۔ اس لیے یہ امور قطعاً دائمی ہوتے ہیں۔ پس عدم دوام کا علم محض اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کی تصریح ہو یا اس کی علت ایسی ہو جو دائمی نہ ہو، وقتی ہو۔ عام طور پر وہ احکام جن کا تعلق عبادات سے ہے دائمی ہوتے ہیں کیونکہ ان کی علت متعین نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو وہ دوام کی مؤید ہوتی ہے اور ان کے الفاظ میں عموماً وقت کا تعین نہیں ہوتا اور غیر عبادات میں جہاں علت بدیہی ہو یا منصوصہ ہو اور وہ علت وقتی ہو وہاں حکم وقتی ہوگا۔ اور اس کا پتہ لگانا ماہرینِ شریعت پر کوئی مخفی نہیں ہے۔

پس سندھی صاحب کے مضمون میں بہت سے امور خلاف واقع ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی طرف یہ نسبت کرنا کہ کل سنت قرآن سے مستنبط ہے، غلط ہے

۲۔ سنت صرف اتفاق یا اغلبیت کے فیصلوں کو قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ سنت کو بالکلیہ وقتی قرار دینا درست نہیں ہے۔

۴ سندھی صاحب کی کلام میں تعارض ہے، کبھی سنت سے حدیث مراد لیتے ہیں اور کبھی صرف باہمی مشورے سے اتفاقی یا اغلبیت کے فیصلوں کو سنت قرار دیتے ہیں۔

۵۔ کبھی سنت کو وحی باطنی اور وحیِ غیر متلو کہتے ہیں جس کا صرف مطلب یہ ہے کہ دین ہے، اور کبھی مجلس شوریٰ کے فیصلوں کا نام رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین نہیں ہے۔

پھر ممکن ہے کہ سندھی صاحب نے اس مقالہ میں جو ولی اللہ نمبر کے لیے دیا ہے۔ اس میں ان کا مطلب سنت سے کچھ اور ہو اور دوسری جگہ کچھ اور مراد لیا مگر جمع کرنے والے نے بدون لحاظ تناقض ان دونوں کو جمع کر دیا ہو۔ اور مقام حدیث والے کو شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق غلط فہمی سے موقع مل گیا ہو۔ مشہور ہے:

نقل را عقل باید

پھر اس غلط نقل سے خوب فائدہ حاصل کرتے ہیں مگر اتنی عقل نہیں کہ ذرا شاہ ولی اللہؒ کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا تو یہ مسلک ہے کہ حدیث وحی ہونے میں پہلی سماوی کتابوں کی طرح ہے اور قرآن ان سے الگ ہے۔ قرآنی وحی تدرات، انجیل، زبور کی طرح نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"کتب الٰہی پیش از قرآن ہمہ بر روش حدیث قدسی بودہ اند الا ماشاء اللہ"[1]

یعنی قرآن مجید سے پہلے کی کتابیں اس طرح تھیں جیسے ہمارے ہاں حدیث قدسی ہوتی ہے۔

آگے لکھتے ہیں:۔

"دو چیز لازم کتاب الٰہی است یکے برکات ملکوت و استحسان ملأ اعلیٰ و رضائے ایشاں از ہر کہ آں کتاب را خواند و در ترویج آں کوشند۔ دیگر بقائے کتاب علی مر الدہور و الاعصار و توفیق یافتن امت حفظ آن۔ اگر ایں دو معنے مختلف شود آں کتاب الٰہی نخواہد بود۔ بلکہ صحیفہ از افراد بشر کہ بارادہ خود جمع علم پیغمبر کردہ است۔ مانند صحیح بخاری و صحیح مسلم در ملت ما" (سطعات طبع جدید ۱۹ ص ۲۶۵)

یعنی کتاب اللہ کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک آسمانی برکتیں اور ملأ اعلیٰ کی پسندیدگی اور کتاب کے پڑھنے اور رواج دینے والوں سے رضامندی۔ دوسری چیز یہ کہ وہ کتاب طویل زمانوں کے گزرنے پر باقی رہے۔ امت کو اس کے یاد کرنے کی توفیق ملے۔ اگر کسی کتاب میں یہ دو باتیں نہ ہوں تو وہ کتاب الٰہی نہ ہوگی بلکہ وہ کتاب کسی انسان کی جمع کی ہوئی ہوگی جس نے اپنے ارادے سے پیغمبر کا علم جمع کیا ہے جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہمارے مذہب میں۔

یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کتاب اللہ نہیں بلکہ علم پیغمبر کی کتاب ہے جو ایک آدمی کی تدوین ہے۔ اس تحقیق کے مطابق قرآن ہی صرف کتاب الٰہی کہلانے کا مستحق ہے۔ مگر کتاب الٰہی بمعنے شریعت تورات و انجیل و زبور کو بھی کہہ سکتے ہیں اور اس معنے سے حدیث الرسول کو بھی کتاب الٰہی کہا جاتا ہے اور حدیث میں جا بجا کلام الرسول پر کتاب اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور اہلحدیث بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو کتاب الٰہی بمعنی مذکور نہیں سمجھتے بلکہ پیغمبر کے علم کا مجموعہ مانتے ہیں جن کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جمع کیا ہے۔ دوسرے معنے سے اس اطلاق کو جائز سمجھتے ہیں

---

[1] حاشیہ ولی اللہ نمبر ص ۲۶۵۔

علامہ سندھی اس طرح لکھتے ہیں :-

"سطعات میں شاہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی طرح ایسی وحی جس کے معانی اور الفاظ مقرر ہو کر نازل ہوں اور پھر قطعی طور پر محفوظ رہیں ۔ چند ٹکڑوں کے ماسوا کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں یہ طریقہ نہیں برتا گیا ۔ عام طور ائمہ دین کتابیں اپنے اجتہاد سے جمع کرتے ہیں جو اس نبی کی سیرت اور اس کے اقوال کو جمع کر دیتی ہیں یعنی ان ہی کتابوں میں وہ چیز بھی آجاتی ہے جو براہ راست لفظاً اور معنےً مقرر ہو کر نازل ہوئی ہے جیسے تورات کے احکام عشرہ یا انجیل کے بعض خطبات نیز وہ چیز بھی آجاتی ہے ۔ جو نبی اپنے اجتہاد سے تعلیم دیتا ہے (یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً وحی سمجھی جاتی ہے ۔ ہماری امت میں کتب مقدسہ کی اس قسم کی مثال میں شاہ صاحب صحیح بخاری و مسلم کو پیش کرتے ہیں ۔" (ولی اللہ نمبر ۲۶۶)

اس عبارت میں علامہ سندھی نے شاہ صاحب کی تحقیق میں یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن سے پہلے جتنی کتابیں آتاری گئی ہیں سب کی سب بعد میں امتیوں نے جمع کی ہیں ۔ کسی نبی نے کتاب اللہ کو نہیں لکھایا ۔ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھایا گیا ہے ۔ پہلے یہ دستور نہیں تھا ۔ صرف زبانی وحی الٰہی کی تبلیغ کی جاتی تھی ۔ بعد میں ائمہ دین بھی جب اپنے نبی کی سیرت اور اقوال جمع کرتے تھے تو ان میں وہ چیز بھی آجاتی ہے ۔ جو لفظاً اور معناً مقرر ہو کر نازل ہوتی تھی ۔ یعنے اس کو الگ لکھنے کا رواج نہیں تھا بلکہ نبی کی سیرت کے بعض اور گوشے تحریر میں آئے اور ان کی حدیثیں اور اقوال لکھے جاتے تو ان کے اندر وہ ٹکڑے بھی آجاتے جو وحی الٰہی میں لفظاً اور معناً نازل ہوتے تھے ۔ اس امت میں اس کی مثال صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہے ۔ یہ دونوں کتابیں اس طرح ہیں جس طرح پہلی آسمانی کتابیں تھیں (فرق صرف اتنا ہے کہ ان کتابوں میں سند نہیں لکھی گئی اور نہ بعد میں حفاظت ہوئی اور ہمارے دین کی کتابیں صحیح بخاری و صحیح مسلم تدوین کے بعد محفوظ رہیں اور تدوین سے پہلے زمانہ کے لیے سندیں بھی لکھی گئیں ۔ اس لیے یہ کتابیں اور ان کی حدیثیں تحریف سے محفوظ رہیں بخلاف

تورات اور انجیل کے کہ وہ بے سند ہونے کے ساتھ بعد میں محرف بھی ہوگئیں) پس حدیثوں کے دین ہونے کے بارے میں کس طرح شاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

علامہ سندھی کی عبارت نقل کرنے کے بعد کس ڈھٹائی سے یہ لکھتے ہیں:۔

"نہ یہ وحی ہیں نہ وحی قرآن کی طرح محفوظ اور اس لیے یقینی نہیں ہیں۔ جس طرح کتب انا جیل یقینی نہیں ہیں" (مقام حدیث ص ۲۴۸)

مگر یہ نہیں سمجھتے تشبیہ غیر وحی ہونے یا غیر محفوظ ہونے میں نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ نبی کے زمانہ میں تدوین نہیں ہوئیں، بعد میں مدون کی گئی ہیں۔ باوجود اس کے کہ بعد میں مدون ہوئیں ان کے لیے دستور العمل نہیں۔ یعنی نبی کے بعد میں مدون ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دستور العمل نہ ہو۔ پھر سندھی صاحب نے یہاں تو تصریح کر دی کہ یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً وحی سمجھی جاتی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پھر ۳۱ کے بعد بھی یہی رٹ لگائے جانا کہ نہ وحی ہے نہ محفوظ۔ کہاں کی دانش مندی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب حدیث کو وحی مانتے ہیں اور یقینی سمجھتے ہیں۔ اور کتب حدیث آسمانی کتابوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ان کی توہین کرنے والے کو مومنین کی راہ کے مخالف اور مبتدع خیال کرتے ہیں اور فرقہ ناجیہ سے اس کو خارج شمار کرتے ہیں۔

پس شاہ ولی اللہ صاحب حدیث کے بہت بڑے معتقد اور حامی ہیں اور آج کل حدیث کی شہرت اور ہمارے ملک اور ہندوستان میں اس کا چرچا انہی کی وجہ سے ہے۔ پس ایسے شخص کو منکرین حدیث کی صف میں کھڑا کرنا ایسا ہے جیسے انبیاء کو شرک کی حمایت میں پیش کرنا۔

باقی رہے عبید اللہ سندھی صاحب، ان کے کلام میں انتشار ہے۔ بعض جگہ سنت کا مطلب کچھ اور لیتے ہیں اور بعض جگہ کچھ اور۔ اس لیے ہم ان کو نہ منکرین حدیث میں داخل کرتے ہیں اور نہ ان کے کلام کو اپنی تائید میں پیش کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں اور نہ ان کے پیش کردہ افکار کی تائید کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

بقیہ شیخ محمد حیات

وفات:۔ علم و عمل کا جامع، حدیث نبوی کا یہ خادم ۱۶ صفر المظفر ۱۳۶۳ھ کو جہان فانی سے دار البقا کی طرف روانہ ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوا۔